OPEN ACCESS: Al-Aijaz Research Journal of Islamic Studies & Humanities
ISSN (ONLINE): 2707-1219 & ISSN (PRINT): 2707-1200
http://www.arjish.com

سائنسی موضوعات سے متعلق آیاتِ قرآنیہ کی تفسیر، ڈاکٹر اسرار احمد کے موقف کا تنقیدی جائزہ

Commentary of Quranic verses related to scientific aspects, a critical study of Dr. Israr Ahmed's opinion

Syed Adeel Shah
PHD Scholar, Department of Islamic Studies, Al-Hamd Islamic University, Islamabad
Email: syedadeelahmedgilani@gmail.com

Received on: 13-07-2022 Accepted on: 15-08-2022

Abstract

Dr. Israr Ahmed was an orator and informal teacher of the Quran in the public domain. He spent the whole of his life preaching his Quranic thoughts which he derived from different sources and origins. During the interpretation of Quranic verses, he set up some of his own ideas which he used during the verbal commentary of particular verses. He did not follow the traditional way of using Hadith while explaining the meanings of Quranic verses related to scientific facts. Such a personal approach to understanding the Quran has been presented in the elaboration of different phases especially with reference to modern scientific facts. In order to clarify that issue, the approach to the building of Quranic perception given and utilized by Dr. Israr Ahmed has been taken into account in the light of Muslim traditional thought. The series of lectures about Quranic interpretation delivered by him has been published with the title "Biyan ul Quran". This study revolves around the abovementioned idea with the help of examples given in "Biyan ul Quran".

Keywords: Dr. Israr Ahmed, Quran, Tafsir, Science, Hadith

تعارف

قرآن مجید کی تفسیر کے لیے احادیث مبارکہ کی جانب رجوع انتہائی ضروری ہے۔ قرآن پاک کی تفسیر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کی روشنی میں کرنا تفسیر القرآن بالحدیث والسیرۃ کہلاتا ہے، خود قرآن کریم کی متعدد آیات میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا میں بھیجے جانے کا مقصد ہی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اقوال و افعال اور عملی زندگی سے آیات قرآنیہ کی تفسیر و تشریح فرمائیں [1]۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے قرآن مجید کی تعلیم کا مناسب انتظام فرما رکھا تھا۔ مفسرین نے سینکڑوں آیات کی تفاسیر احادیث کی روشنی میں بیان کی ہیں۔ بغرض اختصار صرف تین مثالیں پیش کی جارہی ہیں:

1۔ "وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ [2]"۔

اور اس وقت تک کھاؤ پیو جب تک صبح کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے ممتاز ہو کر تم پر واضح (نہ) ہو جائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیط ابیض اور خیط اسود کی مراد کو اپنے ارشاد مبارک سے واضح فرمایا "إِنَّمَا ذَلِكَ سَوَادُ اللَّيْلِ وَبَيَاضُ النَّهَارِ" [3]۔

(کہ خیط ابیض سے مراد صبح صادق اور خیط اسود سے مراد صبح کاذب ہے)۔

2۔ "اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۖ وَّلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ"۔

زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد دونوں کو سو سو کوڑے لگاؤ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہو تو اللہ کے دین کے معاملہ میں ان پر ترس کھانے کا کوئی جذبہ تم پر غالب نہ آئے اور یہ بھی چاہیے کہ مؤمنوں کا ایک مجمع ان کی سزا کو کھلی آنکھوں دیکھے [4]۔

مذکورہ آیت سے زانیہ اور زانی کی سزا میں سو کوڑے مارنے کا ذکر ہے، اس میں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کا کوئی فرق نہیں کیا گیا، اس کی تفسیر حدیث سے ہو جاتی ہے کہ "أَنَّهُ أَمَرَ فِيمَنْ زَنَى وَلَمْ يُحْصَنْ بِجَلْدِ مِائَةٍ وَتَغْرِيبِ عَامٍ [5]۔ (رسول اللہ ﷺ نے غیر شادی شدہ زنا کرنے والوں کو سو کوڑے مارنے کا اور ایک سال کے لیے وطن سے نکالنے کا حکم دیا)۔ "الشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ إِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوهُمَا أَلْبَتَّةَ، رَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَجَمْنَا بَعْدَهُ [6]"۔ (شادی شدہ مرد و عورت جب زنا کے مرتکب ہوں تو ان کو رجم کرو، یعنی سنگسار کر دو، راوی کہتے ہیں کہ خود حضور ﷺ نے اپنی زندگی میں ایسی سزا دی ہے اور بعد میں ہم نے بھی ایسی سزا دی ہے)۔

3۔ "غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ"۔

نہ کہ ان لوگوں کے راستے پر جن پر غضب نازل ہوا ہے اور نہ ان کے راستے کی جو بھٹکے ہوئے ہیں [7]۔

قرآن پاک میں المغضوب اور الضال کا مصداق متعین نہیں کیا گیا ہے، لیکن ان دونوں کا مصداق متعین کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا "إِنَّ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ اَلْيَهُوْدُ وَإِنَّ الضَّالِّيْنَ النَّصَارٰى"۔ (جن پر غضب نازل ہوا اس سے مراد یہود ہیں اور جو راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں اس سے مراد نصاریٰ ہیں [8])۔

اس طرح کی متعدد مثالیں کتب احادیث میں بکثرت موجود ہیں اور اس نقطۂ نظر سے بھی کئی تفاسیر لکھی گئی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے اولین مفسر اور شارح خود جناب محمد الرسول اللہ ﷺ ہیں۔ اس روایت کو لازم کر یا جانا چاہیے کہ علمی اور تحقیقی امور میں جب قرآن مجید سے متعلق قلم اٹھایا جائے تو اس کی تشریح، تفسیر اور توضیح و تاویل کے لیے اولین مصدر حدیث کو ہی بنایا جائے خواہ لکھنے والا قرآن مجید میں سے دین و دنیا کے کسی بھی مسئلہ سے متعلق احکام مستنبط کرنے میں مصروفِ عمل ہو۔

استشہاد بالحدیث کا دائرہ کار

صحابہ کرام سے ملنے والی روایات کے مطابق آپ ﷺ کے حکم کے سامنے کسی کو پر مارنے کی جرات نہیں ہوتی تھی۔ اس لیے نبی اکرم ﷺ کے ہر حکم کو بلا چون وچرا تسلیم کر لیا جاتا تھا۔ صحابہ کرام کی تربیت قرآنی وحی کے سائے میں ہوئی تھی، انہوں نے اسلام کے لیے تکالیف برداشت کیں اور اس کی ترویج و ترقی کے لیے کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا تھا۔ اس اعتبار سے اطاعت رسول میں ان کی طرف سے ایسی مثالیں قائم کی گئیں جن کا دنیا کے کسی بھی نظام میں ملنا ناممکن ہے۔ اس منظر نامے میں حکمِ رسول اور احترامِ رسول کے حوالے سے نہ تو کسی کی ذاتی منطق کام کرتی تھی، نہ کسی کی عقل کی بنیاد کوئی مصلحت پذیرائی پاتی تھی اور نہ ہی کسی کا تجربہ اور حکمت شریعت و عقیدت کو متاثت

کرتی تھی[9]۔

دوسری جانب کچھ ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی موجودگی میں صحابہ کرام نے نبی ﷺ کے احکام کے ظاہری الفاظ کی پیروی کے بجائے ان کی تاویل بھی کی اور اپنی سمجھ میں آنے والی تاویل کو اپنایا۔ چنانچہ حضرت ابو سعید الخذری کی روایت کے مطابق دو صحابہ سفر پر نکلے اور انھیں نماز کے وقت میں پانی نہ مل سکا۔ دونوں نے تیمم کر کے نماز ادا کی۔ کچھ آگے جا کر پانی مل گیا تو ان میں سے ایک صحابی نے نیا وضو کر کے نماز کو دوبارہ ادا کیا کیونکہ ان کے نزدیک پانی مل جانے کی صورت میں تیمم والا حکم ساقط قرار پایا تھا۔ جب کہ دوسرے نے پہلی نماز پر ہی اکتفا کیا۔ آپ ﷺ نے دونوں کی نمازوں کو درست قرار دیا اور نماز کو دوہرانے والے کو دوہرے اجر کی نوید سنائی[10]۔

تیسری جانب آپ ﷺ نے خود اپنی زندگی میں بعض ایسے اقدام کیے جن میں آپ ﷺ نے ایک فیصلہ کیا لیکن اس کے نتائج کے پیش نظر مشاورت کے بعد وہ فیصلہ میں تبدیل فرمادیا۔ ان واقعات میں واقعہ تابیر نخلہ، جنگ بدر میں لشکر کی خیمہ زنی کے لیے منتخب مقام کی تبدیلی، عبد اللہ بن ابی کا جنازہ پڑھنا اور شہد نہ کھانے کی قسم والے واقعات پیش کیے جا سکتے ہیں۔

آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ کے اس پہلو کی وجہ سے علما کے درمیان ایک نئی فکری بحث نے جنم لیا کہ آیا جناب محمد الرسول اللہ ﷺ کے ہر فرمان کی فرماں برداری لازم و فرض ہے یا کچھ فرامین ہائے رسول اللہ ﷺ اطاعت و پیروی کی فرضیت سے مستثنیٰ بھی ہیں۔

امت مجموعی موقف یہی سامنے آیا ہے کہ نبی ﷺ کی زبان مبارک سے جاری ہونے والا کوئی بھی حکم حق کے علاوہ نہیں ہوتا تھا اور آپ ہر حکم وحی کی روشنی میں جاری فرماتے تھے۔ اس لیے آپ ﷺ بحثیت نبی و مصلح جو بھی احکام صادر فرمائیں ان کی فرماں برداری لازم ہے۔ جب کہ بحثیت منتظم آپ جو فیصلہ صادر فرماتے تھے اور اس میں اگر مزید بہتری کی گنجائش موجود ہوتی تو اس میں تبدیلی فرما لیتے تھے۔ اس طرح آپ ﷺ کا پہلا فیصلہ ایک اجتہادی سہو شمار ہو جاتا تھا جس پر مجتہد کو ایک نیکی ملتی ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کسی رسول یا نبی کی شخصیت اور خواہشات و تعلیمات کے دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو تو وہ ہے جو براہ راست وحی الٰہی کے تابع ہے۔ اس پہلو سے متعلق معاملات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی جلی یا وحی خفی کے ذریعے سے براہ راست واضح ہدایات ملتی رہتی ہیں۔ ان ہدایات یا احکام میں کسی خطا یا غلطی کا کوئی امکان نہیں اور نہ ہی اس میں شیطان یا شیطانی قوتیں کسی قسم کی دراندازی کر سکتی ہیں۔ دوسری طرف نبی کی شخصیت کا ایک ذاتی اور نجی پہلو بھی ہے۔ ایسا نہیں ہے ہ نبی کی کوئی ذاتی شخصیت یا سوچ ہی نہیں ہوتی بلکہ بہت سے معاملات میں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کو ایک حکم دے دیا جاتا ہے اور اس حکم پر عمل کرنے کے بارے میں نبی خود سوچتا ہے، خود منصوبہ بندی کرتا ہے اور خود فیصلہ کرتا ہے۔۔۔ چنانچہ ان تدبیری معاملات کا وہ درجہ نہیں ہوتا جو براہ راست وحی کی ہدایت کا ہوتا ہے[11]"۔

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"یہ نکتہ اچھی طرح سے سمجھ لینا چاہیے کہ حضرت آدم سے لے کر نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ تک تمام انبیاء و رسل معصوم تھے لیکن

انسان تھے۔ایسا نہیں تھا کہ ان میں کبھی غلطی کا رجحان ہی پیدا نہ ہوا ہو۔اگر ایسا ہوتا تو پھر وہ فرشتے ہوتے،انسان نہ رہتے۔البتہ اللہ تعالیٰ کے خصوصی بندے ہونے کے سبب تمام انبیاء ورسل ہر وقت اللہ کی حفاظت میں رہتے تھے[12]"۔

مزید لکھتے ہیں:

"ظاہر بات ہے کہ انبیاء کرام تو معصوم ہیں۔اگر بربنائے طبع بشری کسی غلط بات کا امکان پیدا ہو بھی جائے تو اللہ تعالیٰ انہیں اس کے صدور سے محفوظ رکھتا ہے۔لیکن انبیاء کے علاوہ تو ہر شخص سے غلطی اور خطا کا امکان ہے[13]"۔

نبی اور امتی میں بنیادی فرق یہی ہے کہ نبی کی طرف سے سامنے آنے والے سہو کی بذریعہ وحی فوری طور پر نشاندہی اور اصلاح ہو جاتی ہے جب کہ امتی خطا، نسیان، سہو، گناہ وغیرہ ایسے امور کا ارتکاب کرتا ہے تو اس پر کوئی وحی نازل نہیں ہوتی اور اس کو اپنی اصلاح کے لیے خود دینی علوم کی طرف رجوع کرکے اپنے کردار اور نظریات کی تشکیل کرنا ہوتی ہے۔

یہاں ایک نقطہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے جن امور میں مزید بہتری کی ضرورت اور گنجائش تھی، وہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی فرما دی۔اب آپ ﷺ کی احادیثِ صحیحہ اور احکام ہم تک پہنچے ہیں ان پر بلا چون وچرا عمل فرض ہے۔یہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کی جانب سے Certified ہیں۔اب کسی امتی کو ان کے بارے میں یہ موقف قائم کرنے کی ہرگز اجازت نہیں ہے کہ وہ صحیح احادیث میں سے کون سی احادیث کو عملی زندگی میں رہنمائی کے قابل سمجھے اور کن احادیث کو بلاوجہ ترک کردے۔

حدیث سے استشہاد کی تحدید سے متعلق ڈاکٹر اسرار احمد کا موقف

ڈاکٹر اسرار احمد نے احادیث مبارکہ کو دو اقسام میں بیان کیا ہے۔ان کے مطابق احادیث کا ایک حصہ شریعتِ اسلامیہ کے احکام و مسائل اور عقائد و نظریات سے متعلق ہے۔اس حصے میں آنے والی احادیث ایمانیات، عبادات، معاملات، اخلاقیات اور دیگر عملی پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہیں تاکہ مسلمان اپنی زندگی میں ان سے کسبِ فیض حاصل کرسکیں اور کامیابی کے ساتھ اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہو سکیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد کا موقف ہے کہ شرعی احکام کے استنباط کے لیے قرآن مجید، احادیث مبارکہ اور ان کے بعد اسلاف کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔دین کی جو تعبیر احادیث صحیحہ کے ذریعے ہو سکتی ہے اس کو عقلِ انسانی نہیں پا سکتی۔اسی طرح وہ مسائل جو نبی اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ کے بعد مسلمانوں کو پیش آئے، ان سے متعلق قدیم سے قدیم علما کی کتب اور ان کی تعلیمات کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔اپنی تفسیر بیان القرآن میں ڈاکٹر اسرار احمد نے احادیث سے استشہاد بھی کیا ہے۔اس کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

1۔پہلی مثال: سورۃ آل عمران کی آیت:۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الْمَآبِ

ترجمہ: مزین کر دی گئی ہیں لوگوں کے لیے مرغوباتِ دنیا کی محبت۔جیسے بیٹے اور بیٹیاں[14]۔

کے تحت ڈاکٹر اسرار احمدؒ یہ حدیث پیش کی ہے:۔"ما ترکت بعدی فتنۃ اضر علی الرجال من النساء[15]"

ترجمہ: میں نے اپنے بعد مردوں کے لیے عورتوں کے فتنے سے زیادہ ضرررساں فتنہ اور کوئی نہیں چھوڑا[16]۔

2۔دوسری مثال: سورۃالبقرہ کی آیت:۔

وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنۡ يُّذۡكَرَ فِيۡهَا اسۡمُهٗ وَسَعٰى فِىۡ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمۡ اَنۡ يَّدۡخُلُوۡهَآ اِلَّا خَآئِفِيۡنَ ؕ لَهُمۡ فِى الدُّنۡيَا خِزۡىٌ وَّلَهُمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ

ترجمہ: اور اس سے بڑھ کر ظالم کون، جو خدا کی مسجدوں میں خدا کے نام کا ذکر کئے جانے کو منع کرے اور ان کی ویرانی میں ساعی ہو۔ان لوگوں کو کچھ حق نہیں کہ ان میں داخل ہوں، مگر ڈرتے ہوئے۔ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بڑا عذاب[17]"۔

کے تحت لکھتے ہیں:

"ایک ظاہری تخریب کہ مسجد کو گرادینا،اور ایک باطنی تخریب کہ اللہ کے گھر کو توحید کی بجائے شرک کا اڈہ بنادینا۔۔۔حضرت علی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا"اندیشہ ہے کہ لوگوں پر(یعنی میری امت پر) ایک ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ اسلام میں اس کے نام کے سوا کچھ نہیں بچے گا۔قرآن میں سے اس کے رسم الخط کے سوا کچھ نہیں بچے گا۔مساجد ھم عامرۃ وھی خراب من الھدی۔ان کی مسجدیں تو آباد ہوں گی لیکن ہدایت سے خالی ہو جائیں گی[18]۔یہاں بھی لفظ"خراب"نوٹ کیجیے۔گویا معنوی اعتبار سے یہ ویران ہو جائیں گی[19]۔

3۔تیسری مثال: سورۃ بقرہ کی آیت:۔

وَاَنۡفِقُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَيۡدِيۡكُمۡ اِلَى التَّهۡلُكَةِ ۛۚ وَاَحۡسِنُوۡا ۛۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ

ترجمہ: اور خدا کی راہ میں (مال) خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور نیکی کرو بے شک خدا نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے[20]۔

تشریح میں لفظ"محسنین" کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمدؒ لکھتے ہیں:

"یقینا اللہ تعالیٰ محسنین کو(ان لوگوں کو جو درجہ احسان پر فائزہ جائیں) پسند کرتا ہے۔حدیث جبریل میں حضرت جبریل نے رسول اللہ ﷺ سے تین سوال کیے تھے: مجھے اسلام کے بارے میں بتائیں۔مجھے احسان کے بارے میں بتائیں۔احسان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا"احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت ایسے کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔پھر اگر تو اسے نہ دیکھ سکے تو کم از کم یہ خیال رہے کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔یہ احسان ہے۔عام طور پر اس کا ترجمہ اس انداز میں نہیں کیا گیا۔اس کو اچھی طرح سمجھ لیں[21]۔

ان تمام مثالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عقائد، عبادات اور معاملات سے متعلق عملی زندگی میں رہنمائی لینے کے حوالے سے ڈاکٹر اسرار احمد حدیث سے استشہاد اور استدلال کرنے کے حامی تھی۔

استثنائی صورت

قرآن مجید کی تشریح کے حوالے سے ڈاکٹر اسرار احمد کا ذوق دو جہتوں کا حامل تھا۔انہوں نے اپنی تفسیر میں اسلامی اور غیر اسلامی مصادر سے

استفادہ کرتے ہوئے آیاتِ قرآنیہ کی تاویل میں روایتی اور جدید اسلوب کا ایک نیا منہجِ تفسیر اپنایا ہے۔اس کے مطابق ڈاکٹر صاحب نے یہ موقف اپنایا ہے کہ جدید سائنسی ایجادات اور اکتشافات سے متعلق ایک مفسر کے پاس معلومات کا ہونا انتہائی لازم ہے اور جو مفسر جدید حالات وواقعات سے بے بہرہ ہو کر محض آثار و روایات کی مدد سے قرآن مجید کو سمجھتا رہے، سمجھاتا رہے اور اسی روایت پر کاربند رہے، وہ قرآن کے فہم کا صحیح حق ادا نہیں کر سکتا۔ڈاکٹر اسرار احمد لکھتے ہیں:

"تدبر کا ایک اور تقاضا بھی ہے جو بد قسمتی سے ان (مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم) کے سامنے بھی نہیں آیا۔اگر وہ تقاضا بھی پورا نہیں ہو گا تو عصرِ حاضر کے تدبر کا حق ادا نہیں ہو گا۔وہ تقاضا یہ ہے کہ علم انسانی آج جس لیول تک پہنچ گیا ہے، میٹیریل سائنسز کے مختلف علوم کے ضمن میں جو کچھ معلومات انسان کو حاصل ہو چکی ہیں اور وہ خیالات و نظریات جن کو آج دنیا میں مانا جارہا ہے، ان سے آگاہی حاصل کی جائے۔اگر ان کا اجمالی علم نہیں ہے تو اس دور کے تدبر قرآن کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا۔قرآن مجید وہ کتاب ہے جو ہر دور کے افق پر خورشید تازہ کی مانند طلوع ہو گی۔آج سے سو برس پہلے کے قرآن اور آج کے قرآن میں اس حوالے سے فرق ہو گا۔متن اور الفاظ وہی ہیں لیکن آج علم انسانی کی جو سطح ہے اس پر اس قرآن کے فہم اور اس کے علم کو جس طریقے سے جلوہ گر ہونا چاہیے اگر آپ اس کا حق ادا نہیں کر رہے تو آپ سو برس پہلے کا قرآن پڑھا رہے ہیں، آج کا قرآن نہیں پڑھا رہے[22]"۔

معلوم ہوتا سائنسی اکتشافات کی اہمیت ڈاکٹر صاحب کی نظر میں انتہائی زیادہ تھی۔اس سوچ اور فکر کی شدت کی بنا پر ڈاکٹر اسرار احمد نے یہ موقف اپنالیا کہ قرآن مجید کی وہ تمام آیات جن کا تعلق سائنسی حقائق کے ساتھ ہے، ان کی تشریح و توضیح کے لیے جدید علوم طبعیہ کی مدد اور سہارا لیا جائے گا۔یہ ثابت شدہ علوم سے اخذ ہونے والے حقائق کی روشنی میں قرآن مجید میں نازل ہونے والی ان آیات کی تاویل کی جائے گی جو کائنات سے رموز سے پردہ اٹھاتی ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا موقف ہے کہ سائنسی تحقیقات میں ارتقاء واقع ہوتا رہتا ہے۔یہ ارتقاء نت نئے حقائق کو منکشف کرتا ہے۔اس لیے قرآن کریم کی سائنسی تفسیر کو جدید سائنسی نظریات کی روشنی میں سمجھنا چاہیے۔ماضی کی سائنسی تحقیقات کی روشنی میں اگر کسی مفسر نے قرآن کریم کی سائنسی تفسیر کی اور بعد کے دور میں وہ تحقیق غلط ثابت ہو گئی، تو بعد والے ادوار کے مفسرین پر لازم ہے کہ وہ اپنے دور کے ثابت شدہ نظریات کی روشنی میں آیات کے مفاہیم طے کریں۔ان کے الفاظ میں:

"اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ کسی خاص دور کے محدثین، محققین، مفسرین قرآن کریم کا بتمام و کمال احاطہ کر چکے تو وہ سخت غلطی پر ہے۔اگر ایسا ہوتا تو یہ قرآن مجید پر بھی طعن ہوتا اور خود حضور کے اس قول (انتم اعلم بامورکم الدنیا[23]) کی بھی نفی ہوتی۔یہ تو جیسے جیسے زمانہ آگے بڑھے گا، قرآن مجید کے عجائب، اس کی حکمتیں، اس کے علوم و معارف کے نئے نئے خزانے برآمد ہوتے رہتے رہیں گے[24]"۔

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ:

"اگر ہمارے اسلاف نے اپنے دور کی معلومات کی سطح پر ان آیات کا کوئی خاص مفہوم معین کیا ہو تو ہمارے لیے لازم نہیں کہ ہم اس کی پیروی

کریں۔ ہم قرآن میں بیان کردہ سائنسی مظاہر کو اس سائنسی ترقی کے حوالے سے سمجھیں گے جو روز بروز ہو رہی ہے[25]"۔

قرآنی آیات میں احکامی پہلو کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے یہ موقف اپنایا ہے کہ ایسی آیات جن کا تعلق عملی زندگی کے ساتھ ہے، مثلاً نکاح، طلاق، نماز، حج، روزہ، زکاۃ، جہاد، سیاسی امور، معیشت اور معاشرت وغیرہ، ان کی تعبیر و تشریح کے لیے تفسیر بالماثور کا طرز و اسلوب اختیار کیا جائے گا اور ان کے مطالب و مفاہیم کے تعین کے لیے احادیث و آثار کا سہارا لیا جائے گا۔ لیکن کسی سائنسی مفہوم کو اخذ کرنے کے لیے ان کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا اور اس ضمن میں ماضی کی تمام تفاسیر میں بیان کردہ مفاہیم کو یکسر نظر انداز کر دیا جائے گا۔ لکھتے ہیں:

"قرآن مجید پر غور و فکر کرنے والے کا انداز دو اعتبارات سے بالکل متضاد ہونا چاہیے۔ سائنسی حوالہ جات جو قرآن میں آئے ہیں ان کی تعبیر کرنے میں آگے سے آگے جائیے۔ آج انسان کو کیا معلومات حاصل ہو چکی ہیں، کون کون سے حقائق پایہ ثبوت کو پہنچ چکے ہیں، ان کے حوالے پیشِ نظر رہیں گے۔ اس میں پیچھے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ امام رازی اور دیگر مفسرین کو دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے[26]"۔

اس سلسلے میں ان کا یہ بھی موقف ہے کہ اگر سائنسی حوالے سے خود جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا کوئی فرمان صحیح سند کے ساتھ بھی منظر عام پر آ جائے تو اس کی کوئی وقعت و اہمیت نہیں ہو گی۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا خیال ہے کہ رسول اکرم ﷺ دنیا میں سائنس اور ٹیکنالوجی سکھانے نہیں آئے تھے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں سائنس سے متعلق ایک آدھ کوئی فیصلہ لیا تو اس کے نتائج وہ سامنے نہ آ سکے جن کی آپ ﷺ کو توقع تھی۔ ان میں ایک مثال واقعہ تعبیر نخلہ کی پیش کرتے ہیں اور ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ خود رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کو اجازت فرمائی کہ سائنسی معاملات میں آپ ﷺ کا موقف لوگوں کے لیے حجت نہیں ہے کیونکہ وہ آپ کا "شخصی" موقف ہے نہ کہ "نبوی" موقف۔ بیان القرآن میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

"یہاں تک کہ آخری بات عرض کر رہا ہوں کہ اس معاملے میں خود محمد رسول اللہ ﷺ سے بھی اگر کوئی بات منقول ہو گی تو وہ بھی قطعی نہیں سمجھی جائے گی کیونکہ حضور یہ چیزیں سکھانے نہیں آئے تھے[27]"۔

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

"بلکہ اس ضمن میں نبی اکرم ﷺ نے بھی جو کچھ فرمایا ہے تو وہ بھی ہمارے لیے لازم نہیں ہے۔ اس لیے کہ حضور سائنس اور ٹیکنالوجی سکھانے نہیں آئے تھے۔۔۔ لیکن دین کا جو عملی پہلو ہے اس میں پیچھے سے پیچھے جائیے۔ یہاں یہ دلیل نہیں چلے گی کہ جدید دور کے تقاضے کچھ اور ہیں، جب کہ یہ دیکھنا ہو گا کہ رسول ﷺ نے اور آپ ﷺ کے صحابہ نے کیا کیا۔ اس حوالے سے قرآن کے طالب علم کا رخ پیچھے کی جانب ہونا چاہیے کہ اسلاف نے کیا سمجھا[28]"۔

عملی مثالیں

ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنے اس اصول پر عمل کرتے ہوئے اپنی تفسیر میں جابجا سائنسی امور میں جدید علوم کی مدد سے استشہاد کیا ہے اور کوشش کی

ہے کہ اس ضمن میں اسلامی علومِ نقلیہ کے بجائے مغربی ماہرینِ سائنس کی تحقیقات سے استفادہ کیا جائے۔انھوں نے جن مغربی سائنس دانوں کی تحقیقات کی روشنی میں قرآنی آیات کی تفسیر کی ہے ان میں سب سے زیادہ اہمیت ڈاکٹر کیتھ ایل مور کو دی ہے۔ان کے بارے میں ڈاکٹر اسرار احمد نے قرآن مجید کے تصورِ جنین کے حوالے سے استدلالی منہج اختیار کیا ہے۔انھوں نے لکھا ہے کہ :

"ڈاکٹر کیتھ ایل مور، کینڈا کے بہت بڑے ایمبر یالوجسٹ ہیں۔ان کی کتاب علمِ جنین میں سند مانی جاتی ہے اور یونیورسٹی کی سطح پر بطور ٹیکسٹ پڑھائی جاتی ہے۔انہوں نے قرآن حکیم کا مطالعہ کرنے کے بعد انتہائی حیرت کا اظہار کیا کہ آج سے چودہ سو سال قبل جب کہ نہ مائیکر وسکوپ موجود تھی اور نہ ہی dissection ہوتا تھا، ورآن نے علم جنین پر جو معلومات دی ہیں وہ صحیح ترین حقائق پر مشتمل ہیں۔ڈاکٹر موصوف سورت المومنون کی آیات[29] 12تا14 کا مطالعہ کرتے ہوئے انگشت بدنداں ہیں[30]"۔

ڈاکٹر کیتھ مور کی اپنے پیشے میں مہارت کو ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے جابجا تسلیم کیا ہے[31]۔اس ضمن میں یہ مد نظر رہے کہ ڈاکٹر کیتھ قرآنی علوم کے ماہر نہیں تھے بلکہ وہ ایک میڈیکل ڈاکٹر تھے۔انہیں قرآن مجید کی تفسیر میں مصدر کا درجہ دینا کس حد تک درست ہے؟اس کا جواب قطعا مشکل نہیں ہے۔

ڈاکٹر کیتھ ایل مور کے بعد ڈاکٹر اسرار احمد نے موریس بوکائے کے گن گائے ہیں۔ان بارے میں بیان القرآن میں تین مقامات پر ذکر موجود ہے:

1۔ "ڈاکٹر موریس بوکائے ایک فرانسیسی سرجن تھے۔انہوں نے قرآن اور بائبل دونوں کا تقابلی مطالعہ کیا۔۔۔تقابلی مطالعہ کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ پورے قرآن میں کوئی ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جسے ہمارے سائنسی انکشافات نے غلط ثابت کیا ہو جب کہ تورات میں بے شمار چیزیں ایسی ہیں کہ سائنس انہیں غلط ثابت کر چکی ہے[32]۔اس پر انہوں نے دو سو پچاس صفحات کی کے کتاب تحریر کی[33]"۔

2۔ "حال ہی میں فرانسیسی سرجن ڈاکٹر موریس بوکائی نے "بائبل قرآن اور سائنس" نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں اس نے ثابت کیا ہے کہ اب تک جو بھی سائنسی حقائق دنیا کے سامنے آئے ہیں وہ نہ صرف قرآن میں دی گئی تفصیلات کے عین مطابق ہیں بلکہ ان سب کے مطالعہ سے قرآن کی حقانیت بھی ثابت ہوتی ہے۔اپنی اسی تحقیق کی بدولت موصوف سرجن کو ایمان کی دولت بھی نصیب ہوئی[34]"۔

3۔ "فرانسیسی سرجن ڈاکٹر مورس بوکائے نے قرآن کا مطالعہ کرنے کے بعد کہا کہ میرا دل اس پر مطمئن ہو گیا ہے کہ اس قرآن میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جسے سائنس نے غلط ثابت کیا ہو۔۔۔آپ کو معلوم ہے کہ فزکس میں آج سب سے زیادہ اہم موضوع جس پر تحقیق ہو رہی ہے، یہی ہے کہ کائنات کیسے وجود میں آئی۔ابتدائی حالات کیا تھے اور بعد ازاں کیا تبدیلیاں ہوئیں۔ڈاکٹر مورس بوکائے نے اس اعتبار سے محسوس کیا کہ تورات میں تو ایسی چیزیں ہیں جو غلط ثابت ہو چکی ہیں[35]"۔

ایک سرجن کی جانب سے ڈاکٹر اسرار احمد نے طب کے حوالے سے ایسی معلومات پیش نہیں کی ہیں جن سے استفادہ کرتے ہوئے قرآن مجید کا فہم حاصل کیا جا سکے۔حیرت انگیز طور پر ڈاکٹر موریس بوکائے نے تخلیق کائنات سے متعلق جن تحقیقات کی مدد سے قرآن مجید کو سمجھنے کی

کوشش کی ہے وہ بھی بیان القرآن میں مذکور نہیں ہیں۔ محض یہ ذکر کیا گیا ہے کہ "ڈاکٹر موریس بوکائے نے اس اعتبار سے محسوس کیا کہ تورات میں تو ایسی چیزیں ہیں جو غلط ثابت ہو چکی ہیں"۔

تخلیقِ کائنات سے متعلق اسلام کے تصورِ تخلیق اور ڈارون کے فلسفہ ارتقاء کے بارے میں بھی ڈاکٹر اسرار احمد کا جھکاؤ ڈارون کی طرف ہے۔ وہ اس تصور کو مکمل طور پر سائنسی بنیادوں پر سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس ضمن میں انھوں نے احادیث کو مکمل طور پر نظر انداز کرتے ہوئے اسی منہج کی پیروی کی ہے جس پیچھے ذکر کیا جا چکا ہے۔ قرآن مجید میں آدم و حوا کے لیے جس جنت کا ذکر کیا گیا ہے اس جنت کی تعیین میں امام ابن کثیر کا موقف ہے کہ یہ جنت الماویٰ ہے[36]۔ اپنے موقف کی تائید میں وہ موسیٰ اور آدم علیہما السلام کے مابین ہونے والا مکالمہ لکھتے ہیں جس میں حضرت موسیٰ کا اعتراض تھا کہ "آپ نے اپے آپ کو اور ہم سب کو جنت سے کیوں نکلوایا؟[37]"۔ ایک دوسری روایت کے مطابق "بروز قیامت جب جنت مومنوں کے قریب لائی جائے گی تو وہ اٹھ کھڑے ہوں گے۔ وہ آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کریں گے: ابا جان! ہمارے لیے جنت کا دروازہ کھلوا دیجیے۔ وہ فرمائیں گے "تمہیں جنت سے تمہارے والد کی غلطی نے ہی نکلوایا تھا[38]"۔

امام ابن کثیر کی بیان کردہ دونوں روایات میں جنت الماویٰ کا ذکر ملتا ہے لیکن اس کے باوجود ڈاکٹر اسرار احمدؒ اس موقف سے اختلاف کرتے ہیں اور ان کے مطابق یہ جنت وہ جنت نہیں ہے جس کا وعدہ قرآن مجید میں اعمال صالحہ کے مرتکبین سے کیا گیا ہے بلکہ یہ لفظ جنت زمین پر ہی کسی سرسبز و شاداب علاقے کے بارے میں استعمال ہوا ہے۔ یقیناً اس موقف کی وجہ ڈارون کے نظریہ ارتقاء کا فکری اثر ہے جو ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے تفسیری اسلوب میں جا بجا ملتا ہے۔ تفصیلات اپنی جگہ آ رہی ہیں۔ اپنے موقف کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

"سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ جنت کون سی ہے؟ اکثر حضرات کے نزدیک یہ جنت کہیں آسمان میں تھی۔ آسمان ہی میں حضرت آدم کی تخلیق ہوئی۔ البتہ یہ سب مانتے ہیں کہ یہ وہ جنت الفردوس نہیں تھی جس میں جانے کے بعد نکلنے کا سوال ہی نہیں۔ اس جنت میں تو آخرت میں لوگوں کو جا کر داخل ہونا ہے اور اس میں داخلے کے بعد پھر وہاں سے نکلنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ ایک رائے یہ بھی ہے اور میرا رجحان اسی رائے کی طرف ہے کہ تخلیق آدم اسی زمین پر ہوئی ہے۔ بائیولوجی اور وحی دونوں اس پر متفق ہیں کہ قشر ارض یعنی مٹی سے انسان کی تخلیق ہوئی۔ اس کے بعد کسی اونچے مقام پر کسی سرسبز و شاداب علاقے میں حضرت آدم کو رکھا گیا جہاں ہر قسم کے میوے تھے، ہر شے بافراغت دستیاب تھی۔۔۔۔ حضرت آدم اور ان کی بیوی کو وہاں ہر قسم کی اسائشیں موجود تھیں"۔

دراصل جنتِ ارضی کا تصور ہی فلسفہ ارتقاء کے قبول کی دیگر راہیں وا کرتا ہے۔ اسی بنیاد پر ڈاکٹر اسرار احمد نے متعدد مقامات پر فلسفہ ارتقاء کے لیے فکری بنیاد فراہم کی ہے[39]۔ دوسری جانب ڈاکٹر اسرار احمد کو اس خطرے کا بھرپور احساس ہے کہ مغربی نظریہ ارتقاء کے ساتھ اگر روحانیت کو مربوط نہ کیا جائے تو اس کے نتیجے میں انسانی اخلاق اور کردار مذہب سے دور اور اعمالِ سیئہ کا مرقع بن جاتا ہے۔

"آج ہماری جدید تہذیب بھی مختلف انداز سے ہمیں یہی سبق پڑھانے کی کوشش میں ہے کہ انسان محض ایک حیوان ہے۔ اس فلسفے کو

متعارف کرانے اور پروان چڑھانے میں بنیادی کردار ڈارون کے نظریہ ارتقاء نے ادا کیا ہے۔۔۔جدید سائیکالوجی بھی انہیں خطوط پر چل رہی ہے۔ چنانچہ آج کے سائیکالوجسٹ کو بھی محرکاتِ عمل کے حوالے سے انسان اور حیوان میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ تو جب یہ فرق مٹ گیا اور انسان اپنی اصلیت کو بھلا کر حیوان بن گیا تو گویا وہ ہر قسم کی اخلاقی پابندیوں سے بھی آزاد ہو گیا۔ انیسویں صدی کے فرنچ لٹریچر میں بنیادی طور پر اسی نکتے کو فوکس کیا گیا ہے کہ حیوانات کی زندگی فطرت کے عین مطابق ہے، اس لیے ہم انسانوں کو ان سے سبق لیتے ہوئے اپنی زندگی کو خواہ مخواہ کے تکلفات سے آزاد کر لینا چاہیے۔ مثلاً تمام حیوانات لباس سے بے نیاز ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ لباس فطرت کا تقاضا نہیں ہے، انسان کی اپنی ایجاد ہے۔ اسی طرح بیوی، بیٹی اور ماں ی تمیز بھی حیوانات میں نہیں پائی جاتی، یہ پابندی بھی انسان نے اپنے اوپر خود ہی عائد کی ہے۔ یہ ہے آج کے انسان کا المیہ ![40]۔

انھوں نے اپنی تفسیر میں تخلیق کائنات کے بارے یں سائنسی نظریات اور تصورات کو مربوط کر کے ایک مکمل خاکہ پیش کرنے کی پوری کوشش کی ہے جس میں آئن سٹائن اور ڈارون کے نظریات بنیاد کے طور پر کام کرتے ہیں۔ اس ضمن میں ایک بھی حدیث موجود نہیں ہے جس کی روشنی میں ابتدائے آفرینش کو واضح کیا جا سکے۔ اس کی وجہ انھوں نے تفسیر کے مقدمے میں ہی بتا دی ہے کہ اس معاملے میں خود محمد رسول اللہ ﷺ سے بھی اگر کوئی بات منقول ہو گی تو وہ بھی قطعی نہیں سمجھی جائے گی۔

ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک تفرد یہ بھی ہے کہ انھوں نے سائنسی موضوعات سے متعلق آیات کی توضیح احادیث کی روشنی میں کرنے کے بجائے آیا قرآنیہ کو ہی متشابہ قرار دے دیا ہے۔ ان کا موقف ہے کہ قرآن مجید میں آیات کی تقسیم تین اعتبار سے کی جانی چاہیے۔

1. محکمات
2. دائمی متشابہات
3. متشابہات عن مظاہر الطبیعہ

محکم آیات کی تعریف ان کے نزدیک وہی ہے جو جمہور مفسرین کے ہاں موجود ہے۔ لکھتے ہیں:

"ھن ام الکتاب سے مراد قانون، شریعت، عملی ہدایات، اوامر و نواہی ہیں اور اصل میں وہی محکمات ہیں[41]"۔

متشابہات کی دو اقسام بیان کرتے ہوئے ان کی تعریفات بھی مختلف بیان کی گئی ہیں۔ دائمی متشابہات کے ضمن میں لکھتے ہیں:

"دائمی متشابہات عالمِ غیب اور اس کے ضمن میں عالم برزخ، عالم ارواح، ملائکہ کا عالم اور عالمِ امثال وغیرہ ہیں[42]"۔

متشابہات کی دوسری قسم کو ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے متشابہات عن مظاہر الطبیعہ قرار دیا ہے اور اس کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

"البتہ متشابہات کا ایک دوسرا دائرہ ہے جو تدریجاً متشابہات سے محکمات کی طرف آ رہا ہے۔ وہ دائرہ مظاہرِ طبیعی سے متعلق ہے[43]"۔

ان کا موقف ہے کہ ایسی آیات جن کے معانی و مفاہیم بوقت نزول متعین نہیں ہوئے تھے لیکن بعد میں فلسفے اور سائنس کی ترقی کی بدولت ان کے مفاہیم میں تغیر واقع ہوا یا وہ کھل کر سامنے آ گئے، ایسی آیات کو متشابہات عن مظاہر الطبیعہ کہا جائے گا۔ دوسرے الفاظ میں سائنس اور

ٹیکنالوجی سے متعلق تمام آیات اس ضمن میں شامل ہیں۔اس لیے ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے نزدیک قرآن کریم کی صحیح تعلیم و توضیح کے لیے لازم ہے کہ مسلمان ممالک میں باقاعدہ ٹیمیں تشکیل دی جائیں جو سائنسی علوم میں مہارت حاصل کر کے قرآن کریم میں موجود سائنسی نکات کو گہرائی میں جا کر دیکھے اور دنیا کے سامنے ان متشابہات کو محنت و مشقت کے ذریعے محکمات میں تبدیل کر کے دکھائے۔یہی وجہ ہے کہ اپنی بساط کے مطابق قرآن کریم کی تفسیر اور اس کی تفہیم میں ڈاکٹر اسرار احمدؒ بھر پور مصروف نظر آتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہیں یہ احساس بھی ہوتا ہے کہ یہ کام کسی ایک شخص کے بس کا نہیں ہے بلکہ قرآن کریم کو سمجھنے کے لیے ایک قابل ٹیم درکار ہو گی، نہ صرف ایک ٹیم بلکہ ایک ادارے کی ضرورت ہو گی۔

"واقعہ یہ ہے کہ آج تدبر قرآن کسی ایک انسان کے بس کا روگ ہی نہیں رہا،اس کے لیے تو ایک جماعت درکار ہے۔ایسی یونیورسٹیز قائم ہوں جن کا اصل مرکزی شعبہ تدبر قرآن کا ہو۔جو شخص بھی اس یونیورسٹی کا طالب علم ہو، وہ عربی زبان سیکھے اور قرآن پڑھے۔لیکن اس مرکزی شعبے کے گرد تمام علومِ عقلی جیسے منطق، مابعد الطبیعات، اخلاقیات، نفسیات اور الٰہیات، علوم عمرانی جیسے معاشیات، سیاسیات اور قانون، اور علوم طبعی جیسے ریاضی، کیمیا، بطبیعات، ارضیات اور فلکیات وغیرہ کے شعبوں کا ایک حصار قائم ہو اور ہر طالب علم تدبر قرآن کی لازماً اور ایک یا اس سے زائد دوسرے علوم کی اپنے ذوق کے مطابق تحصیل رکھتا کرے اور اس طرح ان شعبہ ہائے علوم میں قرآن کے علم و ہدایت کو تحقیقی طور پر اخذ کر کے موثر انداز میں پیش کر سکے۔۔۔۔۔اگر کچھ لوگ ابھی اسی سابق دور میں رہ رہے ہیں تو قرآن حکیم کے مخفی حقائق ان پر منکشف نہیں ہوں گے"44۔

حقیقت یہ ہے کہ آیات متشابہات کا محکمات میں تبدیلی کا عمل نزول قرآن کے وقت سے جاری ہے اور تا قیامت جاری رہے گا۔اب تک جو آیات بظاہر محکم ہو چکی ہیں ان کے نئے نئے مطالب بھی نکلتے رہیں گے اور یہ اس وقت کے علم اور تحقیق کی رو سے بھی مطابقت رکھیں گے۔تا ہم ابھی تک سائنسی دریافتوں نے کافی حد تک متشابہات کو محکمات میں تبدیل کر دیا ہے لیکن ابھی بھی بہت سی ایسی آیات کریمہ موجود ہیں جن پر موجودہ علم کی رروشنی میں بحث تو کی گئی ہے لیکن بظاہر یہ ایک لاحاصل بحث کا درجہ رکھتی ہے کیونکہ وثوق سے ان کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ واقعتاً یہ تاویل درست ہے یا نہیں؟ کیونکہ ایسی تاویل جس پر بہت سارے سائنس دان اور علما متفق ہو جائیں پھر بھی ان میں اختلاف کی گنجائش بہر حال موجود رہتی ہے۔دوسری جانب جب ایک ہی آیت کی تاویلات مختلف علماء اور سائنس دان مختلف انداز میں کریں اور ان کے بارے میں واضح طور پر مختلف علماء اور سائنس دان مختلف انداز میں کریں اور ان کے بارے میں واضح طور پر کچھ بھی کہنا قبل از وقت ہو تو کوئی بھی موقف قائم کرنے سے بہتر ہے کہ یہ تسلیم کر لیا جائے کہ وہ آیات متشابہہ ہی ہیں اور آنے والا وقت اور علم ان کے بارے میں بہتر طور پر بتا سکے گا۔

تجزیہ

اس وقت مسلمان دنیا میں قرآن مجید کی سائنسی تفسیر ہی سرے سے مختلف فیہ ہے۔جن علما نے قرآن اور سائنس ایسے موضوع کو فضول اور

بدعت قرار دیاہے ان کا گمان ہے کہ قرآن مجید کا حق ہونا مسلم ہے اور اس کے لیے کسی قسم کے سائنسی استدلال کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔دوسری جانب جدید سائنس کی روسے قرآن مجید کی تفسیر کے حامیان کا موقف ہے کہ جس طرح مغرب میں میسحیت کو سائنس اور ٹیکنالوجی کے ساتھ نبرد آزما ہونا پڑا،اسی طرح عنقریب مسلمان دنیا میں یہ چیلنج سامنے آسکتا ہے۔اس سے قبل کہ ایسی صورت حال پیدا ہو جائے اور مذہب مخالف قوتوں کی جانب سے قرآن مجید کی حقانیت پر انگلی اٹھائی جائے،اس طبقے کے علمانے از خود قرآن مجید کی حقانیت کو سائنس کی روسے ثابت کرنے کے لیے تگ ودو شروع کررکھی ہے۔ان دانش وروں کے خیال میں انسانی کلام اور الٰہی کلام میں بنیادی فرق یہی ہے کہ الٰہی کلام میں کسی قسم کی کوئی غلطی نہیں ہوسکتی ہے۔انسانی کلام مستند ہونے کے باوجود قابل اختلاف ہے۔

1۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے دوسرے طبقے میں اپنے لیے جگہ بنانے کی کوشش کی ہے۔اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ قرآن مجید کے ساتھ ساتھ احادیث مبارکہ پر بھی گہری نظر رکھتے لیکن انھوں نے اقرار کیا تھا کہ احادیث نبویہ پر ان کی ماہرانہ گرفت نہیں تھی۔مبشر لقمان کے ٹی وی پروگرام "The Lucman Show" میں انھوں نے کہا تھا کہ "احادیث پر میری زیادہ نگاہ نہیں ہے"[45]۔

ان کے الفاظ "خود محمد رسول اللہ ﷺ سے بھی اگر کوئی بات منقول ہوگی" میں کلمہ "اگر" سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے احادیث کو اس ضمن میں اپنی تحقیق کا حصہ نہیں بنایا۔وگرنہ احادیث میں متعدد سائنسی امور سے متعلق آپ ﷺ کے ارشادات ملتے ہیں۔

تحقیق کا تقاضہ تو یہ ہے کہ قرآن مجید میں موجود سائنسی تصورات سے کی تشریح پہلے متعلقہ موضوعات سے بارے میں دستیاب احادیث کی روشنی میں کی جاتی۔اس صورت میں اگر کوئی حدیث کسی سائنسی نظریے کے ساتھ متعارض ہو تو اس کے بارے میں روایت اور درایت کے پیمانوں کو استعمال کرتے ہوئے مکمل تحقیق کی جاتی اور پھر اس کو تجزیاتی اور منطقی انداز میں پیش کر کے بتایا جاتا کہ حدیث کو روایتی،درایتی اور فکری معیار سائنسی نظریے کے ساتھ کس نوعیت کا ہے۔اس کے نتیجے میں احادیث مبارکہ کے حوالے سے تحقیق کا ایک نیا راستہ کھل سکتا تھا جس کی مدد سے پیغمبر اسلام ﷺ سے منسوب اقوال کی چھان پھٹک کر کے صحیح اور ضعیف کو الگ الگ کرنے کا ایک نیا میزان سامنے آسکتا تھا۔ڈاکٹر موصوف کا پہلے یہ اقرار کرنا کہ ان کی حدیث پر گہری نظر نہیں ہے اور اس کے بعد اتھارٹی بن کر یہ نظریہ پیش کرنا کہ "اس معاملے میں خود محمد رسول اللہ ﷺ سے بھی اگر کوئی بات منقول ہوگی تو وہ بھی قطعی نہیں سمجھی جائے گی" ایک غیر علمی اور غیر ذمہ دارانہ تصور ہے جس میں اصلاح کی بہت زیادہ گنجائش موجود ہے۔

2۔ ڈاکٹر اسرار کا یہ موقف کہ "حضور یہ چیزیں سکھانے نہیں آئے تھے" قابل اتفاق ہے۔لیکن اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ قرآن مجید میں سائنسی تصورات موجود ہیں اور قرآن کی ہی روسے نبی اکرم ﷺ کا یہ فرضِ منصبی تھا کہ وہ قرآن مجید کی آیات کی توضیح، تشریح اور تبیین کریں۔اللہ تعالی کا فرمان ہے کہ :

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ[46]

واضح دلائل اور کتابیں دے کر۔اور ہم نے تیری طرف یہ نصیحت اتاری،تاکہ تو لوگوں کے لیے کھول کر بیان کردے جو کچھ ان کی طرف اتارا

گیا ہے اور تا کہ وہ غور و فکر کریں۔

نبی اکرم ﷺ کا فرضِ منصبی اس امر کا متقاضی ہے کہ آپ ﷺ ان آیات کی بھی تفسیر پیش کریں جن کا تعلق سائنس کے ساتھ ہے اور جب آپ ﷺ ان آیات کی وضاحت فرمائیں گے تو لامحالہ وحی الٰہی کی ہی روشنی میں فرمائیں گے۔ کہ قرآن مجید نے اس ضمن میں بھی آگاہ کیا ہے کہ وحی الٰہی کے حوالے سے آپ ﷺ اپنی مرضی و منشا سے کچھ بھی نہیں فرماتے ہیں بلکہ وحی کو وحی کی روشنی میں ہی واضح کرتے ہیں۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۔ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ[47]

اور نہ وہ اپنی خواہش سے بولتا ہے۔ وہ تو صرف وحی ہے جو نازل کی جاتی ہے۔

اس صورت میں یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک ہی منبع سے جاری ہونے والی ایک وحی کو سمجھنے کے لیے اسی منبع کی طرف سے آنے والی دوسری توضیحی وحی کو پسِ پشت ڈال دیا جائے اور دعویٰ کیا جائے کہ عقلِ انسانی اور سائنسی تجربات وحی کا نعم البدل بن سکتے ہیں۔

3۔ پیغمبر ﷺ نے اگر کسی آیت سے متعلق خاموشی اختیار فرمائی ہو اور اس کے بارے میں وضاحت پیش نہ کی ہو تو پھر اس موقف کے لیے گنجائش نکالی جا سکتی ہے لیکن اس قبل ضروری ہے کہ یہ ثابت کیا جائے کہ کون کون سی آیت کی تفسیر کرنے کے معاملے میں آپ ﷺ کی جانب سے کوئی روایت نہیں ملی، صحابہ کرام بھی اس کے بارے میں خاموش ہیں، علماءِ امت بھی اس کی توضیح سے قاصر رہے ہیں اس لیے لازم ہے کہ اب تک کے دستیاب سائنسیٔ نظریات کی روشنی میں اس کو واضح کیا جائے۔ جب ڈاکٹر اسرار احمد کی جانب سے کہ ایسی کوئی کوشش سامنے نہیں آ سکی ہے۔ اس کے برعکس اہلِ علم و تحقیق کی جانب سے ایسی کتب شائع ہو چکی ہیں جن میں قرآن مجید کی ہر آیت سے متعلق آثار و روایات جمع کر کے پیش کی گئی ہیں۔ مرکز الدراسات والمعلومات القرآنية، جدة کے زیر اہتمام چوبیس جلدوں پر مشتمل "موسوعة التفسير المأثور" اس کی جیتی جاگتی مثال ہے[48]۔

5۔ احادیث مبارکہ میں سائنسی موضوعات سے متعلق کثیر تعداد میں روایات ملتی ہیں جن میں طب کے متعلق آپ ﷺ نے طاعون، جذام، حجامہ، ختنہ، نکاح کے فوائد، زنا کے نقصانات، چھینک پر شکر، جماع کی کراہت اور رضاعت کے اثرات پر گفتگو فرمائی ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے ماں کے پیٹ میں جنین کی نشو نما، علقہ و مضغہ کی وضاحت اور حس سماعت و بصارت پر بھی بیانات جاری فرمائے تھے۔ علم الانسان کے ضمن میں آپ ﷺ نے داڑھی بڑھانے، مونچھیں ترشوانے، ناخن کاٹنے، زیر جامہ بال صاف کرنے، بغلوں کے بال صاف کرنے وغیرہ کے احکام اور بھنوؤں کے بال اتارنے کی، گودنے اور گدوانے اور خوبصورتی کے لیے دانتوں کے درمیان خلا پیدا کرنے کی ممانعت کے احکامات جاری فرمائے ہیں۔ آپ ﷺ نے علم النفسیات، علم الصحت، علم الحیوانات، علم الحشرات، علم النباتات، علم معدنیات، علم آب، علم الفلکیات، علم ارضیات وغیرہ پر بھی بیانات جاری فرمائے ہیں[49]۔ ان روایات سے استفادہ نہ کرنا، ان کو مکمل طور پر نظرانداز کر دینا اور پھر تفسیر القرآن میں بطور سند کسی نظریے کو پیش کرنا ایک ایسا عمل ہے جس پر علمی حلقوں کی جانب سے کئی سوالات سامنے لائے جا سکتے ہیں۔

6۔ سائنسی موضوعات سے متعلق آیات کو محکمات میں شمار کرنے کے بجائے ان کو متشابہات میں داخل کرنا بھی ایک قابل بحث قدم ہے۔ مظاہر الطبیعہ کی مدد سے قرآن مجید کے مفاہیم کو کھولنے کے حوالے سے یہ سوال منطقی طور پر جنم لے سکتا ہے کہ قرآن مجید کے اس حصے کے بارے میں امت کا مجموعی موقف کیا ہونا چاہیے جس کی تاحال کوئی سائنسی توضیح سامنے نہیں آسکی ہے؟ اس ضمن میں قرآن مجید کے آسان ہونے کا مطلب پیش کرنے میں کس منہج کی پیروی کی جاسکتی ہے؟

مذکورہ بالا سوالات اور اعتراضات کے جوابات دینے کی کوشش میں یقینا ایک ایسا مرحلہ سامنے آسکتا ہے جس میں ڈاکٹر اسرار احمد کے موقف کو ہی قابل اصلاح قرار دینے کے علاوہ اور کوئی راستہ سامنے نہیں آتا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنی تفسیر میں جس منہج کی پیروی کی ہے وہ جزوی طور پر تفسیر بالماثور کے ضمن میں تو لیا جاسکتا ہے لیکن اس میں احادیث کی مجموعی تعداد تیس سے زیادہ نظر نہیں آسکی ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد سائنسی حوالے سے احادیث کی صحت اور ان سے استفادے کی اہلیت کے معاملے میں اعتدال پر قائم نہیں رہ سکے اور جدت و جدیدیت میں الجھ کر اس کو مکمل طور پر نظر انداز کر بیٹھے تھے۔ ان کے موقف کے حوالے سے ڈاکٹر محمد ریاض کرمانی لکھتے ہیں:

"دور جدید میں سب سے زیادہ اہم اور قابل توجہ مسئلہ قرآن کی تفسیر میں سائنسی علوم کا یا سائنسی علوم میں قرآنی علوم کا محل استعمال ہے۔ قرآن کے ان خبریہ جملوں کی تشریح جن میں فطرت کا بیان ہے، سائنسی نقطہ نظر سے کی جاسکتی ہے لیکن یہ ذہن نشیں رہے کہ قرآن کے "خبریہ جملے" بذاتِ خود علم ہیں۔ ان کی تفصیل تو سائنس کے ذریعے کی جاسکتی ہے لیکن سائنس دانوں کو ان کی صحت جانچنے کے لیے کسوٹی نہیں بنایا جاسکتا[50]"۔

اگر کوئی شخص اس کے باوجود سائنسی تصورات کو اپنے لیے اہم مصدرِ تفسیر کے طور پر منتخب کرتا ہے تو یقینا یہ اس کی اپنی ذاتی رائے ہی قرار دی جاسکتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اس کی مذمت فرماتے ہوئے خبردار کیا کہ "من قال فی القرآن برایہ فاصاب فقد اخطا[51]"۔

اس موقف کے حامل شخص کے لیے لازم ہے کہ وہ احتیاط کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے طریقۂ تفسیر پر نظرِ ثانی کرے۔ ڈاکٹر اسرار احمد اب اس دارِ فانی سے کوچ کر چکے ہیں۔ قرآن مجید کی تعلیم و تبلیغ کے حوالے سے ان کی مساعی اور خدمات بے نظیر ہیں جن پر انہیں رہتی دنیا تک داد و تحسین ملتی رہے گی البتہ اس خدمت میں ان سے سرزد ہونے والا سہو علمی دنیا میں یقینا سوالات کی زد میں ہے۔ اس لیے اب ان کے احباب، تنظیمی رفقا اور علمی جانشینوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس موقف پر نظر ثانی کرنے کے بعد تنظیمِ اسلامی کے تفسیری منہج کی تشکیلِ نو کریں اور "بیان القرآن" کی آئندہ طباعتوں کے حاشیہ میں اس کی وضاحت شائع کریں۔

راقم الحروف کا خیال ہے کہ ڈاکٹر اسرار احمد دنیوی تعلیم کے اعتبار سے مقدور بھر مرحلے تک پہنچ چکے تھے اور اس لیے ان مغربی سائنسی نظریات سے مرعوبیت کے باعث انھوں نے ان نظریات کو ہی اپنے ذہن میں پختہ کر رکھا تھا۔ اس کے بعد تفسیر میں ان سے ہی استفادہ کیا۔ امام ابن تیمیہ نے مقدمہ تفسیر میں ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جو تفسیر میں غلط منہج کے پیرو بن جاتے ہیں۔ اس طبیعت سے متعلق لکھتے ہیں کہ:

"ایک وہ لوگ ہیں جنہوں نے پہلے سے اپنے کچھ عقیدے اور نظریے بنا لیے۔ پھر قرآنی الفاظ کو کھینچ تان کر ان پر منطبق کرنے لگے [52]"۔
کیا سائنس اس علم کے مقابلے میں کھڑی کی جاسکتی ہے جو الہام و القا اور وحی کے ذریعے ایک پیغمبر کے دل پر نازل کیا گیا ہو۔ یقیناً حدیث کے فہم میں سہو ہو سکتا ہے، لیکن اس کی ٹھوس علمی حیثیت کسی صورت ماند نہیں پڑ سکتی ہے۔ اس کے مقابلے میں سائنس کی وہ حیثیت سائنس دانوں کے نزدیک بھی نہیں ہے جو ڈاکٹر موصوف کے بیانات میں نظر آتی ہے۔

سفارشات

اس مضمون کا مقصد ڈاکٹر اسرار احمد کو منکرِ حدیث ثابت کرنا یا ان کی علمی حیثیت کو سبوتاژ کرنا نہیں ہے بلکہ ان کے ایک فکری سہو کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ اس حوالے سے مندرجہ ذیل کام کرنے چاہییں تاکہ قرآن مجید کے طلبہ کو محفوظ اور مامون مناہج تفسیر کے ذریعے کامِ الٰہی سمجھنے کا موقع مل سکے۔

مضمون میں مذکور "موسوعۃ التفسیر بالماثور" کا اردو زبان میں ترجمہ کیا جانا چاہیے تاکہ تفسیر القرآن سے متعلق اب تک کے دستیاب جملہ آثار و روایات اردو دان طبقے کے لیے میسر ہو سکیں۔ اس کے نتیجے میں تحقیق طلب موضوعات سے متعلق قرآن کریم کی جملہ آیات تک رسائی کے ساتھ ساتھ ان آیات سے متعلق مستند معلومات سے استفادہ کرنے کا موقع مل سکے گا۔

ان تمام آثار و روایات کی روایتی اور درایتی تحقیق کی جانے چاہیے جن کا تعلق سائنسی موضوعات کے ساتھ ہے۔ جو روایات ضعیف ثابت ہو جائیں ان کی نہ صرف نشاندہی کی جانی چاہیے بلکہ ان کے الگ مجموعے تیار کیے جانے چاہییں۔ صحیح روایات کے الگ مجموعے تیار ہونے چاہییں تاکہ اسلام اور سائنس کے نام پر جو رطب و یابس کتابوں میں جمع کیا جا چکا ہے اس کی چھان پھٹک کے ذریعے صحت و ضعف کی تمیز کی جا سکے۔

سائنسی موضوعات کے اعتبار سے الگ الگ کتابیں لکھی جانی چاہییں جن میں آیاتِ قرآنیہ، آثار اور مستند اور ثابت شدہ سائنسی نظریات و تصورات بیان کیے گئے ہوں۔ اس مقصد کے لیے سائنس اور تفسیر کے طلبہ کے باہمی اشتراک سے تعلیمی اداروں میں تحقیقی پراجیکٹس پر کام ہونا چاہیے۔

اردو تفسیری ادب میں سائنسی نظریات و حقائق سے استدال و استشہاد پر تحقیقات ہونی چاہییں تاکہ برصغیر کے مجموعی تفسیری مزاج سے متعلق معلومات میسر ہو سکیں اور معلوم ہو سکے کہ سائنسی تفسیر کے حوالے سے اردو مفسرین کے موافقات اور اختلافات کی نوعیت کس طرح کی ہے۔

References

[1]Al-Nahal:44
[2]Al-Baqarah:187
[3]Abu Abdullah Muhammad Bin Ismail Al-Bukhari, Al-Jami Al-Sahih, Dar ul Salam, Lahore, H: 1783
[4]Al-Nur:22
[5]Sahih Al-Bukhari, H: 2455
[6]Abu Abdullah Muhammad bin Yazeed Ibn e Majah, Sunan Ibn e Maja, Dar ul Salam, Lahore, H: 2534

[7]Al-Fatiha: 7

[8]Ahmed Ibn e hanbal, Musnad Ahmed, Maktaba Rehmania, Lahore, H: 9400

[9]صلح حدیبیہ کے موقع پر عروہ بن مسعود ثقفی جب کفار کی جانب سے سفیر بن کر سمجھوتہ کرنے آئے تو واپس جا کر انہوں نے اسی طرح کے تاثرات کا اظہار کیا تھا۔ دیکھیے:
Seerat Encyclopedia, Dar ul Salam, Lahore, Vol 8, P. 93

[10]Abu Dawood Suleman bin Ash'as, Sunan Abu Dawood, Dar ul Salam, Lahore, H: 338

[11] اس ضمن میں اسرار نے مختلف مثالوں سے اپنے نقطہ نظر کی وضاحت بھی کی ہے اور اس ضمن میں نبی ﷺ کی دعوتی حکمتوں، عسکری فیصلوں اور دیگر دنیاوی تجاویز کو بطور مثال پیش کیا ہے۔ دیکھیے:
Dr. Israr Ahmed, Biyan ul Quran, Njuman Khuddam ul Quran, Peshawer, Vol 5, P. 144, 145

[12] Ibid, Vol 6, P. 175

[13] Ibid, Vol 6, P. 217

[14] Al-Imran:14

[15] Sahih Al-Bukhari, H:4800

[16] Biyan ul Quran: Vol2, P. 17

[17] Al-Baqarah: 114

[18] Abu Bakar Ahmed bin Al-Hussain Al-Byhaqi, Shuab ul Iman, Maktabah Islamiah, Lahore, P. 317, 318

[19]Biyan ul Quran, Under, Al-Baqarah:114

[20] Al-Baqarah:195

[21] Biyan ul Quran, Under, Al-Baqarah:195

[22]Ibid, Vol 1, P. 32

[23]Muslim bin Al-Hujjaj Al-Qushyri, Sahih Muslim, Dar ul Salam, Lahore, H: 2363

[24]Biyan ul Quran, Vol 1, P. 43

[25]Ibid, Vol 1, P. 57

[26]Ibid, Vol 1, P. 3232

[27]Ibid, Vol 1, P. 57

[28]Ibid

[29] وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ

ترجمہ: اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا ہے پھر اس کو ایک مضبوط (اور محفوظ) جگہ میں نطفہ بنا کر رکھا پھر نطفے کا لوتھڑا بنایا۔ پھر لوتھڑے کی بوٹی بنائی پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں پھر ہڈیوں پر گوشت (پوست) چڑھایا۔ پھر اس کو نئی صورت میں بنا دیا۔ تو خدا جو سب سے بہتر بنانے والا بڑا بابرکت ہے۔

[30] Biyan ul Quran, Vol 1, P. 57

[31] Ibid, Vol 5, P. 117

[32] Maurice Bucaille, Bible, Quran and Science, (Urdu Tanslation by: Sana ul Haq Siddiqui), Idarat ul Quran, Karachi, 1993, P. 187

مزید لکھتے ہیں "قرآنِ کریم میں، مقدس بائبل سے کہیں زیادہ سائنسی دلچسپی کے مضامین زیر بحث آئے ہیں، بائبل میں یہ بیانات محدود تعداد میں ہیں، لیکن سائنس سے متضاد ہیں۔ اس کے برخلاف قرآن میں بہ کثرت مضامین سائنسی نوعیت کے ہیں، اسلیے دونوں میں کوئی مقابلہ نہیں، موٴخر الذکر (قرآن) میں کوئی بیان بھی ایسا نہیں، جو سائنسی نقطہ نظر سے متصادم ہوتا ہو۔ یہ وہ بنیادی حقیقت ہے، جو ہمارے جائزہ لینے سے اُبھر کر سامنے آتی ہے۔ (ایضا)

[33]Biyan ul Quran, Vol 1, P. 56

[34] Ibid, Vol 6, P. 299

[35] Ibid, Vol 1, P. 83

[36] Imad ul Din, Ibn e Kathir, Qasas ul Anbiya, Dar ul Salam, Lahore, P. 38

[37] Sahih Al-Bukhari, H: 4638; Sahih Muslim, H: 265

[38] Sahih Al-Muslim, H: 195

[39] Biyan ul Quran, Vol 2, P. 29; Vol 6, P. 203; Vol 7, P. 343; Vol 7, P. 82,83; Vol 2, P. 42; Vol 4, P. 208; Vol 3, P. 104; Vol 4, P. 208

[40] Ibid, Vol 1, P. 29
[41] Ibid
[42] Ibid
[43]Ibid
[44]Ibid, Vol 1, P. 32
[45] https://www.youtube.com/watch?v=7DZQo_yv8is (7:35)
[46]Al-Nahal: 44
[47]Al-Najam:3,4
[48]Mausooah tafseer bil mathur, dar ul Ibn e hazam, Berut, 2017
[49] Basirah Shageef Noorani, Sahihyn ki Sciensi Riwayat awr Sciensi Haqaaiq ka Taqabuli Mutalia, Government college for women, Lahore, 2014
[50]Dr Muhammad Riyaz Karmani, Wahi, Ilm aur Science, Markazi Maktabah Islami Publishers, New Dehli, P. 70
[51]Jami Tirmidhi, H: 2950
[52]Ibn e Tymiyah, Usool e Tafseer, Maktabah Al-Salafiah, Lahore, P. 48